(صرف احمدی احباب کی تعلیم و تربیت کے لئے)

حوادث طبعی

یا

عذاب الٰہی

از

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمان الرحیم

حوادث زمانہ یا عذاب الٰہی

یہ سوال بڑی دیر سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں سال سے انسانی ذہن کو الجھائے ہوئے ہے کہ حادثات طبعی کا کوئی تعلق اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے ہے یا نہیں؟

اس سلسلہ میں دو نظریات ایک دوسرے کے مقابل کھڑے نظر آتے ہیں۔ایک نظریہ اس امر پر مشتمل ہے کہ دنیا میں جتنے بھی حادثات واقع ہوتے ہیں یا آفات رونما ہوتی ہیں۔ یہ سب قوانین طبعی کے ماتحت خود بخود ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں اور انسان کے اعمال، اس کی نیکی بدی یا رسولوں کے انکار سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ دوسری طرف قدیم سے تمام قطعہ ارض پر بسنے والے اہل مذاہب کسی نہ کسی رنگ میں یہ مانتے چلے آئے ہیں کہ عذاب اور آفات جب بھی غیر معمولی نوعیت اختیار کر جائیں تو قوانین طبعی کے دائرے سے نکل کر قوانین غیر طبعی کے حلقہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔اگرچہ ان سب مذاہب میں خدائے واحد ویگانہ کا وہ تصور تو نہیں ملتا جو (دین حق) نے پیش کیا ہے لیکن اپنے اپنے رنگ میں اس بات پر سب کا اتفاق نظر آتا ہے کہ یہ عذاب اور آفات کسی باشعور ہستی کے فیصلے کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں۔خواہ اس کا نام سورج دیوتا بیان کیا جائے۔ یا بادلوں کا خدا یا پہاڑوں کی روح یا سمندروں کی دیوی، وہ تمام مذاہب بھی جو خدا تعالیٰ کی مختلف صفات میں بعض خیالی خداؤں کو شریک ٹھہراتے ہیں ۔ غیر معمولی آفات سماوی وارضی کو غیر طبعی قرار دیتے چلے آئے ہیں۔ وہ مذاہب جن میں توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ آج تک محفوظ چلا

آ رہا ہے ان میں بھی اگر چہ نظریہ توحید کی تفاصیل میں کچھ نہ کچھ فرق ملتا ہے لیکن اس بات پر وہ بھی متفق ہیں کہ آفات سماوی یا حادثات طبعی ایک واحد خدا کی ناراضگی کا مظہر ہوتے ہیں۔ان مذاہب میں سرفہرست (دین حق) ہے اس کے بعد یہودیت اور پھر عیسائیت جو بیک وقت توحید کی بھی دعویدار ہے اور تثلیث کی بھی۔

یہ ایک دلچسپ معمہ ہے اور آج کی دنیا میں جبکہ انسان طبیعات کے بہت سے گہرے اسرار کا واقف ہو چکا ہے ان تمام مصائب یا حوادث کے تہ بہ تہ عوامل اور محرکات کی گہری تحقیق کر کے بہت سے سر بستہ رازوں پر سے پردہ اٹھا چکا ہے، یہ سوال مادہ پرست انسان کے لئے بھی اور اہل مذاہب کے لئے بھی دوہری اہمیت اختیار کر چکا ہے۔اہل مذاہب کے بارے میں یہ کہنا یقیناً درست ہوگا کہ آج یہ سوال پہلے سے کئی گنا بڑھ کر اہم اور قابل توجہ بن چکا ہے کیونکہ پہلے اہل دنیا جس خیال کو ظاہری مشاہدات کی بناء پر مانتے چلے آرہے تھے۔آج ان کے ہاتھ میں صرف ظاہری مشاہدہ کا ہتھیار ہی نہیں بلکہ عالم طبعی کی تہہ بہ تہہ جستجو کے نتیجہ میں جو حقائق وہ دریافت کر چکے ہیں وہ سب اس طرف اشارہ کرتے نظر آتے ہیں کہ تمام امور قوانین طبعی کا طبعی نتیجہ ہیں اور کسی مافوق البشر ہستی کی دخل اندازی سے ان کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔اہل مذاہب اس کے برعکس ابھی تک اسی مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں جس پر وہ پہلے تھے۔اور کوئی ایسی نئی تحقیق مذاہب کے ماننے والوں کی طرف سے پیش نہیں کی گئی جو اس مؤقف کی مزید تائید یا تصدیق کر سکے۔کہ حوادث زمانہ کا کوئی تعلق کسی مافوق البشر ہستی سے ہے۔

جماعت احمدیہ چونکہ از سرنو بڑے زوردار اصرار کے ساتھ اس نظریئے کو دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے کہ حوادث اور مصائب کی صورت میں جو مظاہر

طبعی ہمیں نظر آتے ہیں ان کا تعلق یقیناً اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ساتھ بھی ہے۔
اس لئے خصوصیت کے ساتھ جماعت احمدیہ کی یہ ذمہ داری ہے کہ جماعت سے وابستہ محققین اور مبصرین اس مسئلہ کے ہر پہلو کی چھان بین کر کے صرف اس امر کی وضاحت کریں کہ جماعت احمدیہ کے اس نظریہ کا حقیقی مفہوم کیا ہے بلکہ اس نظریہ کی تائید اور تصدیق میں ایسے دلائل بھی پیش کریں جو نئے علوم کی روشنی میں بنائی ہوئی عقل کو مطمئن کر سکیں۔ آج دنیا کا جو انسان ہمارا مخاطب ہے وہ ہزار دو ہزار یا پانچ ہزار سال کے انسان کی نسبت مادی علم کے میدان میں اتنا آگے نکل چکا ہے کہ محض دعاوی کی تکرار سے اور کسی نظریہ کو بلند آواز سے بیان کرنے کے نتیجہ میں ہرگز تسلی نہیں پا سکتا۔ پس مذہب اور لا دینیت کی جنگ میں ایک یہ بھی میدان ہے جو ابھی سر کرنے والا ہے۔ اس وقت تک تو اس معرکے کا جو نتیجہ ظاہر ہوا ہے وہ مذاہب کی شکست اور لا مذہبیت کی فتح دکھائی دیتا ہے۔ یہ فتح اس حد تک نمایاں نظر آتی ہے کہ اہل (دین حق) کا بھی ایک بڑا طبقہ مادی نظریہ طبیعات سے متاثر ہو کر مافوق البشر مداخلت کے عقیدہ سے منحرف ہو چکا ہے۔ اگرچہ غیر معمولی مصائب کے وقت عامۃ الناس کبھی کبھی تو یہ زبان سے پکار اٹھتے ہیں کہ یہ تو عذاب ہے اور چند دن کے لئے جب تک مصیبت ان کو گھیرے رکھے۔ اذانیں دے کر یا استغفار کر کے یا دعائیں مانگ کر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع بھی کرتے ہیں لیکن عملاً ان مظاہر قدرت کو عذاب قرار دینے کے باوجود ان کی زندگی میں کوئی بنیادی فرق نہیں پڑتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ایک عارضی اور فانی خیال کی طرح دل و دماغ سے ایک مسافر کی طرح گذر جاتی ہے۔ مزید برآں عمومی رنگ میں حوادث کو عذاب الٰہی قرار دینے کے باجود وہ قرآن کریم کے اس دعویٰ کی طرف پھر بھی توجہ نہیں کرتے کہ ان عذابوں کا تعلق محض بداعمالیوں سے ہی

نہیں بلکہ رسولوں کے انکار سے بھی ہے۔ بلکہ اس حد تک ہے کہ بداعمالیوں کی سزا کے نتیجہ میں بھی یہ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتے جب تک اللہ تعالیٰ کوئی تنبیہ کرنے والا پیغمبران میں نہ بھیج دے اور بروقت متنبہ کر کے دنیا کو نیکیوں کی طرف بلانے کی کوشش نہ کرے۔

جماعت احمدیہ جو اس نظریئے کی بھی بڑے وثوق سے قائل ہے۔ روزمرہ اس سلسلہ میں تلخ تجربات کا سامنا کرتی رہتی ہے اور آئے دن احمدیوں کو ایسے دوستوں سے تبادلہ خیالات کا موقعہ ملتا رہتا ہے جو غیر معمولی آفات کو عذاب الٰہی ماننے پر تیار ہوجاتے ہیں۔لیکن اس بات کو تسلیم کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہوتے کہ ان عذابوں کے ظہور سے قبل اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کی اصلاح اور تنبیہ کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی نبی بنا کر بھیجا ہے۔یہی نہیں بلکہ احمدیوں کو اس سلسلہ میں بعض اوقات سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان پر یہ طعن کیا جاتا ہے کہ ہر مصیبت جو دنیا پر نازل ہوتی ہے تم اسے مرزا غلام احمد کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کر دیتے ہو۔ یہ کیا تمسخر ہے؟ چلی میں زلزلہ آئے یا چین کی سرزمین لرزش کھا رہی ہو۔ترکی،اٹلی یا ایران کی عمارتیں تہہ و بالا ہو رہی ہوں یا ہزارہ اور مردان کی سرزمین قیامت کا نمونہ دیکھے۔بارشیں آئیں،خشک سالی ہو آندھیاں چلیں یا ہوائیں بند ہوجائیں۔غرضیکہ حوادث قدرت کوئی بھی کروٹ لیں تم لوگ بلا سوچے سمجھے ہر طبعی واقعہ کو مرزا صاحب کی سچائی کی دلیل کے طور پر پیش کرنے لگ جاتے ہو۔ذرا سوچو کہ یہ کیسا غیر معقول اور مضحکہ خیز طریق ہے۔ جس سے آج کی دنیا میں کوئی بھی متاثر ہونے کے لئے تیار نہیں۔ یہ باتیں سن کر بعض احمدی تو اظہار حسرت کے سوا اور کوئی قدرت نہیں رکھتے ،بعض خود اس معاملہ میں متفکر اور متردد ہوجاتے ہیں کہ کہیں واقعۃً یہ محض ہمارا خیال ہی تو نہیں۔ جب سے دنیا

بنی ہے آفات اور مصائب سے اہل دنیا کا واسطہ پڑتا ہی چلا آ رہا ہے پھر ہم کیسے ان طبعی واقعات کو صداقت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن افسوس کہ سوچ کا سلسلہ کسی منزل پر رک نہیں سکتا بلکہ اس خیال کے آتے ہی معاً تصور کی دوسری چھلانگ اس جانب لپکتی ہے کہ قرآن کریم میں کیوں حوادث طبعی کو بڑے اصرار اور تکرار کے ساتھ انبیاء کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور کیوں قرآن بکثرت اس مضمون سے بھرا پڑا ہے کہ خدا کے کسی مرسل کے انکار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک کے بعد دوسری قوم کو ہلاک کیا اور صرف وہی باقی رکھے گئے جو ایمان لانے والے تھے؟ پھر کیوں قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں بھی بار بار یہی دلیل پیش کرتا ہے اور انسانوں کو تنبیہ کرتا ہے کہ اگر رسولوں کے سردارؐ کا انکار کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے جو سلوک کمتر درجہ کے انبیاء کے منکرین کے ساتھ کیا تھا وہی سلوک بلکہ اس سے بڑھ کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین سے بھی کیا جائے گا۔ اور خدا کا یہی سلوک اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ رسول اپنے تمام دعاوی میں سچا تھا۔ پس اس منزل پر تصور کی چھلانگ مسئلے کو احمدیت کے دائرے سے نکال کر وسیع تر اور بلند تر اصولی سوال تک پہنچا دیتی ہے۔ کہ فی ذاتہ اس دعویٰ کی حقیقت کیا ہے؟ کیا کسی بھی مذہب کے لئے اصولاً یہ جائز ہے کہ حوادث زمانہ کو عذاب الٰہی قرار دے یا خدا تعالیٰ کے کسی مرسل کے انکار کا نتیجہ بیان کرے؟

اس تمہیدی بیان کے بعد جس سے مسئلہ کی اہمیت خوب اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ جس حد تک ممکن ہو اس کے مختلف پہلوؤں پر کچھ نہ کچھ روشنی ڈالوں اور اپنے دوسرے بھائیوں کو اس بارہ میں مزید فکر و تدبر کی دعوت دوں۔

احمدیت کا نظریہ:۔ احمدی اپنے نظریہ کی بنیاد کلیۃً قرآن کریم پر رکھتے ہیں۔ اور نظریہ کے ہر پہلو کا استنباط بھی قرآن کریم سے ہی کرتے ہیں۔ اس لئے جب میں احمدی نظریہ کہتا ہوں تو مراد یہ ہے وہ نظریہ جو جماعت احمدیہ کے نزدیک فی الحقیقت (دینی) نظریہ ہے۔ خواہ (دین حق) کے دوسرے فرقے اس سے اتفاق کریں یا نہ کریں۔ بہرحال احمدی نظریہ کے حسب ذیل پہلو خاص طور پر ذہن نشین ہونے چاہئیں ورنہ مادہ پرستوں کے ساتھ تبادلہ خیالات میں کئی پہلوؤں سے معاملہ الجھ سکتا ہے اور ایک احمدی کے لئے مشکلات پیش آسکتی ہیں۔

(ا) احمدی ہرگز اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ دنیا میں رونما ہونے والے حوادث، مصائب اور زلازل کی طبعی وجوہات موجود ہیں اور یہ تمام امور قانون طبعی کے تابع رونما ہوتے ہیں۔ احمدیوں کے نزدیک مذہب کا خدا بھی وہی خدا ہے جو مادی عالم کا خدا ہے اور جن کو ہم قوانین طبعی قرار دیتے ہیں وہ قوانین طبعی بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نتیجہ میں اور اس کے مقرر کردہ ضابطوں کے ماتحت کام کر رہے ہیں اگرچہ انسان نے تحقیق و جستجو کے بعد اس سلسلہ میں بہت کچھ دریافت کیا ہے لیکن قوانین طبعی کی جستجو کرنے والے مفکرین اور محققین بلا استثناء اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ جستجو کا یہ سلسلہ لامتناہی ہے اس اسباب کی کڑیوں میں سے جس قدر بھی ہم دریافت کرتے چلے جائیں کسی کڑی کو بھی پہلی کڑی قرار نہیں دیا جاسکتا بلکہ ہر سبب بذات خود ایک مسبب کا متقاضی ہے جس کا آگے کوئی سبب ہونا چاہئیے۔ جب اس سبب کو تلاش کیا جائے تو اس کا آگے کو سبب ڈھونڈنا پڑتا ہے جب اس کو تلاش کرلیا جائے تو اگلے سبب کی طرف راہنمائی کرتا ہوا ایک دروازہ دکھائی دیتا ہے کہ اس کو بھی کھولو اور اس سے اگلے سبب کو تلاش کرو۔ غرضیکہ اسباب کا یہ سلسلہ جہاں

تک انسانی عقل کی دسترس کا تعلق ہے لامتناہی ہے۔ پھر کون جانے کہ اصل سبب کون تھا یا کیا ہے۔ اور کہاں پہنچ کر یہ سلسلہ ختم ہوگا؟ قرآن کریم پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کا سبب اول بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور آخری نتیجہ بھی اسی کی ذات کی طرف لے جانے والا ہے وہ اول بھی ہے اور آخر بھی ہر چیز کا سرچشمہ بھی وہی ہے اور ہر چیز کا مرجع بھی وہی۔ ہم (دین حق کو ماننے والے) جو روزمرہ گفتگو میں اِنَّـا لِـلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کا ورد کرتے ہیں درحقیقت اس میں اس بنیادی نظریہ کا اقرار اور اعادہ کیا جاتا ہے۔ پس جماعت احمدیہ قوانین طبعی کو قوانین مذہب سے علیحدہ کوئی خود مختار متوازی نظام تصور نہیں کرتی اس لئے یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کہ بلاشبہ تمام مادی تغیرات قوانین طبعی کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں۔ یہ بھی تسلیم کرتی ہے اور ان دونوں اعتقادات میں کوئی تضاد نہیں پاتی کہ تمام قوانین طبعی اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مقرر کردہ قوانین کے تابع کام کرتے ہیں اور وہ تمام قوت جو طبعی تبدل و تغیر کے وقت استعمال ہوتی یا خارج ہوتی ہے اس کا سرچشمہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے۔

(۲) جماعت احمدیہ یہ اعتقاد رکھنے کے باوجود کہ غیر معمولی حوادث اور مصائب اللہ تعالیٰ کی خاص مشیّت سے تعلق رکھتے ہیں ہرگز یہ عقیدہ نہیں رکھتی کہ ہر قدرتی حادثہ اور ہر تغیر اور ہر تبدیلی عذاب الٰہی کی آئینہ دار ہوا کرتی ہے۔ عموماً ایک دنیادار مادہ پرست مذہبی نظریہ کو صحیح رنگ میں نہ سمجھنے کے نتیجہ میں معترض بن جاتا ہے اور کسی حد تک اس کے اعتراضات درست بھی ہوتے ہیں اگر انسان اپنی طرف سے کوئی نظریہ بنا کر مذہب کے سر تھوپ دے تو لازماً اس میں تضادات اور نقائص پائے جائیں گے۔ نتیجۃً غیر مذہبی طاقتوں کو موقعہ میسر آجائے گا کہ اس نظریئے کی خامیاں ظاہر کر کے یہ ثابت

کریں کہ جس مذہب نے یہ غلط نظریہ پیش کیا ہے وہ مذہب ہی جھوٹا اور نا قابل اعتماد ہے اور انسانی عقل اس کی راہنمائی کو قبول نہیں کر سکتی۔ یہی مصیبت تھی جس کا احیائے علوم کے زمانہ میں عیسائیت کو سامنا کرنا پڑا اور عیسائی پادری اپنے مذہب کی طرف ایسے خودساختہ نظریات منسوب کر رہے تھے جن کا الہام الٰہی سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ یا تو وہ بگڑی ہوئی بائیبل کے فرضی قصے تھے یا آیات تورات کی غلط تشریحات پر مبنی مفروضے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسان نے خصوصاً اہل یورپ نے جب قوانین قدرت کی چھان بین کی اور بہت سے انکشافات کو واضح طور پر عیسائی نظریات کے مخالف پایا تو عیسائیت کو ایک فرسودہ اور جھوٹا مذہب سمجھ کر ترک کرنا شروع کر دیا پھر یا تو کھلم کھلا انہوں نے عیسائیت سے بغاوت کی یا پھر عملاً اس طرح اس سے منحرف ہو گئے کہ گو زبان نے تو انکار نہ کیا لیکن اعمال نے اس کا جوا اتار پھینکا اور ایک آزاد مادی اور مادہ پرست یورپین سوسائٹی رونما ہوئی۔ جو عیسائیت کی قید سے ہر عملی پہلو میں آزاد تھی۔ پس (دین حق کے ماننے والوں) کو اس المیہ سے یہ سبق سیکھنا چاہئیے اور خصوصاً احمدیوں کو کہ وہ (دین حق) کے عالمگیر غلبہ کے لئے کوشاں ہیں۔ غیر معمولی احتیاط سے کام لینا چاہئیے ۔ اور کسی نظریہ کو مذہب کی طرف منسوب نہ کرنا چاہئیے جس کا مذہب دعویدار نہ ہو۔

جہاں تک قرآن کریم، احادیث نبویہ، اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہیں بھی (دین حق) کا یہ دعویٰ نظر نہیں آتا کہ ہر طبعی حادثہ اور تغیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا حکم رکھتا ہے۔ ہاں یہ دعویٰ ضرور ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بسا اوقات مادی اور طبعی قوانین کو ان مادی طاقتوں کی ہلاکت پر مامور کر دیا جو روحانی اور مذہبی اقدار کی نہ صرف منکر تھیں بلکہ مادی ذرائع کو استعمال کر کے روحانی اور مذہبی اقدار کو مٹانے کے

در پے تھیں۔ پس جب بھی یہ صورت ظاہر ہو کہ مادی نظریات روحانی نظریات سے ٹکرا جائیں اور مادی طاقت مذہبی اقدار کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور سرکشی میں بڑھتی چلی جائے۔ تو ایسی صورت میں قرآنی نظریہ کے مطابق قوانین طبعی کو ہی ایسی مادی طاقتوں کو مٹانے یا مغلوب کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ گویا لوہا لوہے کو کاٹتا ہے یا انگریزی محاورے کے مطابق To set a thief to catch a thief کا منظر نظر آتا ہے یعنی وہ لوگ جو کسی مافوق البشر طاقت کے منکر اور صرف موجود مادی دنیا کے ہی قائل ہوتے ہیں انہی کی مسلمہ موجود مادی دنیا کو ان کی ہلاکت اور تباہی پر مامور کر دیا جاتا ہے۔ ایسے واقعات کو مذہبی اصطلاح میں عذاب الٰہی کا نام دیا جاتا ہے اور اس نظریئے سے کوئی ٹکراؤ یا مقابلہ نہیں کہ ایسے واقعات اپنے پس منظر میں طبعی عوامل رکھتے ہیں۔ مثلاً فرعون کی غرقابی کے واقعہ کو ہی لے لیجئے۔ نیل کے ڈیلٹا میں فرعون اپنے قافلے سمیت غرق ہوا۔ روزانہ دو مرتبہ جوار بھاٹا آیا ہی کرتے تھے۔ اب ان گنت سالوں سے یعنی جب سے کہ دریائے نیل وجود میں آیا۔ اس کا پانی سمندر میں داخل ہوتے وقت روزانہ اسی اتار چڑھاؤ کا منظر پیش کرتا رہا۔ خدا جانے کتنے جانور یا ابتدائی انسان یا ابتدائی ہیت کے انسان یا بعد کے غیر مہذب خانہ بدوش قبائل، غلط اندازوں یا کم علمی یا لاعلمی کی وجہ سے اس جوار بھاٹا کی نذر ہو گئے۔ لیکن نہ تو قرآن مجید نے، نہ کسی اور مذہبی صحیفہ نے اس جوار بھاٹا کے نتیجہ میں مرنے والوں کو عذاب الٰہی کا مورد قرار دیا۔ پس قانون قدرت بلاشبہ اپنی روش پر جاری وساری ہے اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے ہر مہلک تغیر کو نہ عذاب الٰہی قرار دیا جا سکتا ہے نہ (دین حق) اس کا دعویدار ہے۔ ہاں بعض صورتوں میں جن کا قدرے تفصیلی ذکر آگے چل کر کیا جائے گا۔ یہی مظاہر قدرت مذہبی اصطلاح میں عذاب الٰہی کا نام پا لیتے

دعویٰ کرنے پر کسی انسان کو قدرت نہ ہوسکتی تھی جب تک خود اللہ تعالیٰ اس کی خبر نہ دے۔ اس زمانے میں بھی فرعون کی لاش کا کوئی پتہ نہ تھا۔ اور اگر اس دعویٰ کو انسان کا خود ساختہ دعویٰ قرار دیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایسا دعویٰ کرنے والا خود اپنی تکذیب کے سامان فراہم کر رہا ہے جو سراسر عقل کے خلاف بات ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آپؐ کے صحابہؓ سے اس آیت کے نزول کے بارہ میں سوال کیا جاتا کہ فرعون کی لاش محفوظ کرنے کی خبر اگر خدا نے دی ہے تو وہ لاش کہاں ہے؟ کس طرح محفوظ ہوئی اور کیسے عبرت کا سامان بنی؟ تو کوئی صحابی اس کا جواب دینے پر قادر نہ ہوتا۔ سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی راہنمائی فرماتا۔ اگر بعد کی نسلوں سے یہی سوال دوہرایا جاتا۔ تو سائل ہمیشہ اپنے مخاطب کو گنگ اور لاجواب پاتا۔ نہ تو پہلی صدی کے مسلمان مخاطب اس کا جواب دے سکتے تھے نہ دوسری صدی کے مسلمان مخاطب، تیسری صدی کے مسلمان بھی اس کے جواب سے لاعلم تھے۔ چوتھی صدی کے بھی اور پانچویں اور چھٹی صدی کے بھی یہاں تک کہ چودھویں صدی میں وہ چاند طلوع ہوا جس کے عہد میں (دین حق) کو غلبہ نو کے سامان فراہم کئے جانے تھے۔ اس وقت کسی مسلمان محقق نے نہیں بلکہ خود عیسائی محققین نے اس فرعون کی لاش کو محفوظ صورت میں دریافت کر لیا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے غرقابی کی سزا پائی تھی اور آج یہ لاش قرآن کریم کی صداقت پر گواہی دیتی ہوئی اہل بصیرت کے لئے عبرت کا سامان مہیا کر رہی ہے اور ساتھ ہی قرآن کریم کے پیش کردہ تمام مکالمہ کی صداقت کا اعلان کر رہی ہے۔ جو قرآن کریم نے فرعون کے آخری لمحات کا نقشہ کھینچنے کے لئے ہمارے سامنے پیش کیا ہے۔

اس کا ایک پہلو یہ تھا کہ فرعون کا غرق ہونا نیل کے ڈیلٹا میں غرق ہونے

والے لکھوکھا انسانوں سے مختلف حیثیت رکھتا تھا۔اس ایک واقعہ کو ہم عذاب الٰہی قرار دیتے ہیں۔جبکہ ایسے ہی دوسرے لاکھوں واقعات محض حادثات کا نام پاتے ہیں۔

(۳)مادی تغیرات اور طبعی قوانین کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں جب عذاب کا نام پاتی ہیں تو ان کے ساتھ کچھ علامتیں اور کچھ شرائط پائی جاتی ہیں اور یونہی بلا وجہ کسی تبدل و تغیر کو عذاب کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

(۴)ایسے تمام حوادث زمانہ جو مذہبی اصطلاح میں عذاب کا نام پاتے ہیں ان کے نتیجہ میں بعض اہم مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔جن کا ذکر آئندہ چل کر کیا جائے گا۔اس کے برعکس روزمرہ کے حوادث اگرچہ کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور پیدا کرتے ہیں۔لیکن جن مذہبی مقاصد سے عذاب کا تعلق ہوتا ہے عام حوادث کے نتیجے میں وہ رونما نہیں ہوتے۔

(۵)قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ قوانین طبعی کے نتیجہ میں جس قسم کے تغیرات بھی رونما ہو سکتے ہیں۔مختلف اوقات میں ان میں سے ہر ایک تغیر کو عذاب الٰہی کا ذریعہ بنایا گیا اور آئندہ بھی بنایا جا سکتا ہے اسی طرح انسانی معاشرہ میں پیدا ہونے والی خرابیوں کے نتیجہ میں یا دیگر عوامل کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والی جنگوں اور فتنہ و فساد کو بھی بعض مخصوص حالات میں عذاب الٰہی کا ذریعہ بنالیا جاتا ہے۔

مندرجہ بالا امور کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جماعت احمدیہ عذاب الٰہی کا جو (دینی) فلسفہ پیش کرتی ہے اس کا مادہ پرستوں کے نظریہ سے بالواسطہ کوئی ٹکراؤ نہیں۔البتہ فرق یہ ہے کہ دنیادار مادہ پرست حوادث زمانہ کو طبعی محرکات اور موجبات کا نتیجہ قرار دینے پر ہی اکتفا کرتا ہے جبکہ (دین حق) اس حد تک اس مادی فلسفہ کی تائید کرنے کے علاوہ یہ زائد بات بیان کرتا ہے۔

اگرچہ تمام حوادث کی کوئی طبعی وجہ موجود ہے اور خدا تعالیٰ کی منظّم تخلیق اور کامل نظام خلق کا تقاضا بھی یہی ہونا چاہئیے تھا۔لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوجاتی بسا اوقات اللہ تعالیٰ بلند تر مذہبی مقاصد کے حصول کے لئے انہی طبعی ذرائع کو استعمال کرتا ہے ہم خود اس کے پیدا کردہ ہیں اور اسی کے تابع ہیں۔ جب ایسا ہو اور حوادث زمانہ کو سزا یا تنبیہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو اس وقت یہی طبعی قوانین جو نتیجہ ظاہر کرتے ہیں اس کا نام عذاب الٰہی رکھا جاتا ہے اس کے برعکس قرآن کریم سے یہ بھی ثابت ہے کہ طبعی قوانین کو جیسا کہ بعض اوقات رضائے الٰہی کے خاص اظہار کے لئے ہی مسخر کیا جاتا ہے اور جب بھی ایسا ہو طبعی تغیرات کے نتیجہ میں کسی قوم یا اشخاص کے لئے غیر معمولی فضل اور رحمت کے سامان پیدا ہوتے ہیں۔حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو جہاں عذاب الٰہی سے ڈرایا وہاں ایمان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں اور رحمتوں کا وارث بننے کا وعدہ بھی دیا اور اس بات کی ترغیب دی کہ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے قوانین طبعی کو اپنا دشمن بناؤ اور اس کو راضی کر کے قوانین طبعی کو اپنا غلام اور خدمت گار بناؤ۔سورہ نوح میں اس مضمون کو نہایت لطیف رنگ میں بیان فرمایا گیا ہے۔اس سے (دینی) فلسفہ عذاب وثواب بڑی آسانی سے واضح ہوجاتا ہے۔اس امر سے تو ہماری دنیا بخوبی آگاہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے لئے قوم پر بکثرت بارش کو ذریعہ عذاب بنایا گیا لیکن عام طور پر اس حقیقت سے لوگ بے خبر ہیں کہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق یہی بارش رحمت الٰہی کا مظہر بھی بن سکتی تھی۔ایک امر تو بہرحال مقدر ہو چکا تھا کہ طبعی قوانین کے نتیجہ میں اس علاقہ میں جہاں حضرت نوحؑ کی قوم آباد تھی۔بکثرت بارشیں برسنے والی تھیں۔اس امر کا فیصلہ کہ یہ بارش رحمت کی ہو یا عذاب کی،قوم نوحؑ پر چھوڑ دیا گیا۔حضرت نوحؑ کہتے ہیں:۔

پانچویں امتیازی علامت:۔

پانچویں علامت جو عذاب الٰہی کو حوادث زمانہ سے الگ کرتی ہے اس کا ذکر قرآن کریم کی حسب ذیل آیت میں ملتا ہے:۔

وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ ايَةٍ اِلَّا هِىَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (الزخرف ۴۹)

ترجمہ:۔ہم ان کو جو نشان بھی دکھاتے تھے وہ اپنے سے پہلے نشان سے بڑا ہوتا تھا اور ہم نے ان کو عذاب میں مبتلا کر دیا تھا تا کہ وہ (اپنی بداعمالیوں سے) لوٹ جائیں۔یعنی عذاب الٰہی میں ایک تدریج اور ترتیب پائی جاتی ہے اور آخری غلبہ تک عذابوں کا سلسلہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

گویا عذاب الٰہی کے مختلف مظاہر میں خفیف سے اشد کی طرف حرکت نظر آتی ہے۔اگر عذاب کی شدت کا گراف بنایا جائے تو معمولی اتار چڑھاؤ کے باوجود عذاب کا عمومی رخ شدید سے شدید تر کی طرف ہی نظر آئے گا۔ یہانتک کہ اگر قوم پیغمبر وقت کے نظریات کو قبول نہ کرے اور اس کی ہلاکت مقدر ہو جائے تو عذاب کی آخری یورش سب سے شدید اور فیصلہ کن ہوتی ہے۔حوادث زمانہ میں ایسی کوئی ترتیب نہیں پائی جاتی۔

چھٹی امتیازی علامت:۔

عذاب الٰہی کی چھٹی امتیازی علامت یہ ہے کہ گو حوادث زمانہ انسان کی قلبی کیفیت سے اثر انداز نہیں ہوتے اور وہ ان کیفیات سے بے نیاز اپنے دائرہ میں کارفرما رہتے ہیں لیکن عذاب الٰہی اس عہد کے انسانوں کی قلبی کیفیات سے ایک ایسا عجیب رشتہ رکھتا ہے اگر دلوں میں گذشتہ گناہوں پر ندامت اور پشیمانی پیدا ہو

جائے اور طبیعتیں استغفار کی طرف مائل ہوں تو عذاب الٰہی ٹل جاتا ہے۔قرآن کریم عذاب الٰہی کی اس امتیازی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ مُعَذِّبَھُمْ وَھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۔

(سورۃ انفال آیت ۳۴)

اللہ تعالیٰ انہیں ایسی حالت میں عذاب نہیں دیتا کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

گذشتہ انبیاء کی تاریخ میں حضرت یونسؑ کے عہد کا واقعہ اس نوع کی ایک نمایاں مثال ہے۔کہ عذاب الٰہی کی خبر دیئے جانے کے باوجود جب قوم نے استغفار سے کام لیا تو یہ غیر متبدل سنت اللہ قوم اور عذاب الٰہی کے درمیان حائل ہوگئی۔

ساتویں امتیازی علامت:۔عذاب الٰہی کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ عذاب اس وقت تک انتظار کرتا ہے۔جب تک نبی ہلاک ہونے والی بستی کو چھوڑ کر نہ چلا جائے۔جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ

(سورۃ انفال آیت ۳۴)

اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز عذاب نہیں دے گا کہ تو ان کے اندر موجود ہو۔

ظاہر بات ہے کہ حوادث کسی کا انتظار نہیں کرتے۔پس وہ حوادث جو کسی خاص وجود یا نیک لوگوں کی خاطر رکے رہیں اور اس بات کا انتظار کرتے رہیں کہ وہ ہلاک ہونے والی بستی کو چھوڑیں تو پھر یہ سرگرم عمل ہوں ۔ مذہبی اصطلاح میں ایسے حوادث کو عذاب الٰہی کہتے ہیں۔

اس جہت سے جب ہم اس سوال پر نظر ڈالتے ہیں کہ انبیاء اور ان کی قومیں

روشنی کے سامانوں کے باوجود بڑی احتیاط کے ساتھ قافلوں کی صورت میں زائرین راستہ دکھانے والوں کے پیچھے چل کر معائنہ کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔اس کے باوجودکئی زائرین راستہ بھٹک کران پیچ در پیچ ظلماتی راستوں کا شکار ہوجاتے ہیں لیکن یہی ظلماتی راہیں کبھی موحد اور مظلوم عیسائیوں کے نور سے روشن تھیں ۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے بالائے زمین خطرات کوان زیرزمین خطرات سے بہت زیادہ بھیانک پایااور بسااوقات سال ہاسال کا عرصہ انہیں غاروں میں بسرکردیالیکن یہ پسند نہ کیا کہ قوی دشمن کے خوف سے اپنے دین کوتبدیل کردیں۔ سطح زمین پر جیسے جیسے رومن تاریخ کروٹیں بدلتی رہی ویسے ویسے ہی یہ عیسائی اقوام کبھی باہرنکل کر کھلے آسمان تلے دم لے لیتیں۔اورکبھی پھر غاروں میں پناہ گزیں ہوکرایک نیم خوابیدہ سی زندگی بسر کرنے پرمجبور ہوجاتیں۔یہ دوراس طرح چلتا رہا یہاں تک کہ عذاب کی مختلف شکلوں نے پے در پے صدمے پہنچا کرعظیم سلطنت روما کوٹکڑے ٹکڑے کرڈالا اورآخر دنیا نے یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ عیسائیت ان غاروں سے نکل کر ترقی کے بلند وبالا میناروں کی زینت بن گئی اور آج ان اقوام کی تعمیر کردہ سربفلک عمارتیں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں غیر معمولی بلندی کی وجہ سے انہیں سکائی سکریپرز کا نام دیا گیا ہے۔پس اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب شان ہے کہ وہ لوگ جوکبھی خدا تعالیٰ کے پیغام کے لئے سطح زمین پہ نہ بس سکتے تھےاور بالائے زمین کھلی فضامیں رہنے کی بجائے انہوں نے محض خدا کی خاطر زیرزمین گہری ،تنگ وتاریک غاروں میں رہنا پسند کرلیا۔اللہ تعالیٰ نے انہیں ظاہری رفعتیں بھی ایسی عطا کیں کہ ان کی عمارتیں ہی نہیں وہ خودبھی آسمان سے باتیں کرتے دکھائی دیتے ہیں۔کبھی ان کے قدم چاند کی سرزمین کوروندتے ہیں اورکبھی ان کے راکٹس مارس کی بلندیوں کو سرکرلیتے ہیں ۔ پس جہاں تک

صرف آپ کا گھر ہی نہیں خود قادیان بھی اس مرض کے ایسے حملے سے محفوظ رہے گا جو دوسرے شہروں کی طرح ہلاکت خیز ہو گویا اس لحاظ سے پنجاب کے دوسرے شہروں کی نسبت قادیان کو ایک خاص امتیاز حاصل رہے گا لیکن پیشتر اس کے کہ ہم طاعون کی وباء کا اس پہلو سے تنقیدی جائزہ لیں کہ اس میں عذاب الٰہی ہونے کے کیا کیا خصوصی امتیازات پائے جاتے تھے بہتر ہو گا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ ہی میں ان الٰہی مواعید اور بشارتوں کا ذکر کیا جائے جو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیئے۔ آپ فرماتے ہیں۔

''چار سال ہوئے کہ میں نے ایک پیشگوئی شائع کی تھی کہ پنجاب میں سخت طاعون آنے والی ہے اور میں نے اس ملک میں طاعون کے سیاہ درخت دیکھے ہیں جو ہر ایک شہر اور گاؤں میں لگائے گئے ہیں اگر لوگ توبہ کریں تو یہ مرض دو جاڑہ سے بڑھ نہیں سکتی۔ خدا اس کو دفع کر دے گا۔ مگر بجائے توبہ کے مجھ کو گالیاں دی گئیں اور سخت بدزبانی کے اشتہار شائع کئے گئے جس کا نتیجہ طاعون کی یہ حالت ہے جو اب دیکھ رہے ہو''

اب اس تمام وحی سے تین باتیں ثابت ہوئی ہیں:۔

''اول یہ کہ طاعون دنیا میں اس لئے آئی ہے کہ خدا کے مسیح موعود سے نہ صرف انکار کیا گیا بلکہ اس کو دکھ دیا گیا اور اس کے قتل کرنے کے لئے منصوبے بنائے گئے اس کا نام کافر اور دجال رکھا گیا۔ پس خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے۔۔۔۔۔ دوسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ یہ طاعون اس حالت میں فرو ہو گی جبکہ لوگ خدا کے فرستادہ کو قبول کر لیں

ہمیں اپنے نفس کے لئے اوران سب کے لئے جو ہمارے گھر کی
چاردیواری میں رہتے ہیں ٹیکا کی کچھ ضرورت نہیں۔۔۔اس
نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھی فرما دیا کہ عموماً قادیان میں سخت
بربادی افگن طاعون نہیں آئے گی جس سے لوگ کتوں کی
طرح مریں اور مارے غم اور سرگردانی کے دیوانہ ہو جائیں اور
عموماً تمام لوگ اس جماعت کے گو وہ کتنے ہی ہوں مخالفوں
کی نسبت طاعون سے محفوظ رہیں گے مگر ایسے لوگ ان میں
سے جو اپنے عہد پر پورے طور پر قائم نہیں یا ان کی نسبت اور
کوئی وجہ مخفی ہو جو خدا کے علم میں ہو ان پر طاعون وارد ہو سکتی
ہے مگر انجام کار لوگ تعجب کی نظر سے اقرار کریں گے کہ نسبتاً
اور مقابلۃً خدا کی حمایت اس قوم کے ساتھ ہے اور اس نے خاص
رحمت سے ان لوگوں کو ایسا بچایا ہے جس کی نظیر نہیں۔اس بات پر
بعض نادان چونک پڑیں گیا ور بعض ہنسیں گے اور بعض مجھے دیوانہ
جو بغیر رعایت اسباب کے بھی رحمت نازل کر سکتا ہے اس کا جواب
یہی ہے کہ ہاں! بلاشبہ ایسا قادر خدا موجود ہے اور اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو
اس سے تعلق رکھنے والے زندہ ہی مر جاتے وہ عجیب قادر ہے
اور اس کی پاک قدرتیں عجیب ہیں۔ایک طرف نادان مخالفوں
کو اپنے دوستوں پر کتوں کی طرح مسلط کر دیتا ہے اور ایک
طرف فرشتوں کو حکم کرتا ہے کہ ان کی خدمت کریں۔''

(کشتی نوح روحانی خزائن جلد 19 ص 2.3)

مندرجہ بالا اقتباسات میں جو دعاوی کئے گئے ہیں ان کی رو سے طاعون
کی اس وباء میں حسب ذیل خصوصیات ہونی چاہئیے تھیں جو اسے عام وباؤں سے

نہیں ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔ بیک وقت دونوں باتیں اس طرح نظر آتی ہیں کہ عذاب اپنی شدت میں بالعموم خفیف سے اشد کی طرف حرکت کرتا ہے لیکن کہیں کہیں انسانوں کی بے قراری اور استغفار کے آنسو اس آگ کو کسی حد تک ٹھنڈا کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور وقتی طور پر اس کی شدت میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

شق دوم۔قادیان کی بستی سے استثنائی سلوک کا دعویٰ

شق اول کے مطالعہ کے دوران بعض قارئین کے ذہن میں خیال پیدا ہوسکتا ہے کہ جبکہ یہ مسلمہ امر ہے کہ طاعون کی وباء اس زمانہ میں پہلی مرتبہ ۱۸۸۰ء میں پھوٹی تھی اور اس کے بعد وقتاً فوقتاً دنیا کے مختلف ممالک میں ظاہر ہوتی رہی تو ۱۸۹۷ء میں یعنی سترہ سال بعد حضرت مرزا صاحب کا طاعون کی وباء کو عذاب الٰہی قرار دینا اور اپنی تائید میں بطور نشان اس کی پیشگوئی کرنا کیا معنے رکھتا ہے۔ کیوں نہ یہ گمان کیا جائے کہ آپ نے یہ اندازہ لگا کر کہ یہ وباء اب زیادہ شدت اختیار کر جائے گی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک پیشگوئی کر دی۔ اس کا ایک جواب تو خود شق اول ہی میں گزر چکا ہے یعنی یہ کہ اس پیشگوئی سے قبل اور بعد کے اعداد و شمار میں حیرت انگیز فرق فی ذاتہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کی پیشگوئی کسی انسانی تخمینہ کے نتیجہ میں نہیں بلکہ عالم الغیب ہستی کی طرف سے دی جانے والی خبر کے نتیجہ میں تھی۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس پیشگوئی میں محض یہ دعویٰ نہ تھا کہ طاعون بصورت عذاب الٰہی بڑی شدت کے ساتھ اس ملک پر حملہ آور ہوگا، بلکہ اس کے ساتھ یہ عجیب دعویٰ بھی تھا کہ قادیان کی بستی اس وباء سے غیر معمولی طور پر محفوظ رکھی جائے گی اور یہ دعویٰ بڑے کھلے لفظوں میں کیا

ایسے شخص کی دعا تو اس کے مقابلے میں سنی جاتی ہے جس کا نام
اس نے دجال اور بے ایمان اور مفتری رکھا ہے مگر اس کی اپنی
دعا نہیں سنی جاتی ۔۔۔۔ اگر انہوں نے اپنے فرضی مسیح کی خاطر
دعا قبول کرا کر خدا سے یہ بات منوالی کہ امروہہ میں طاعون
نہیں پڑے گی تو اس صورت میں نہ صرف ان کو فتح ہوگی بلکہ
تمام امروہہ پر ان کا ایسا احسان ہوگا کہ لوگ اس کا شکر نہیں
کر سکیں گے ۔ اور مناسب ہے کہ ایسے مباہلے کا مضمون اس
اشتہار کے شائع ہونے سے پندرہ دن تک بذریعہ چھپے ہوئے
اشتہار کے دنیا میں شائع کر دیں جس کا یہ مضمون ہو کہ یہ اشتہار
مرزا غلام احمد کے مقابل پر شائع کرتا ہوں جنہوں نے مسیح
موعود ہونے کا دعویٰ کیا ہے ۔ اور میں جو مومن ہوں دعا کی
قبولیت پر بھروسہ کر کے یا الہام پا کر یا خواب دیکھ کر یہ اشتہار
دیتا ہوں کہ امروہہ ضرور بالضرور طاعون کی دست برد سے محفوظ
رہے گا لیکن قادیان میں تباہی پڑے گی کیونکہ مفتری کے رہنے
کی جگہ ہے ۔ اس اشتہار سے غالباً آئندہ جاڑے تک یہ فیصلہ
ہو جائے گا یا حد دوسرے تیسرے جاڑے تک ۔۔۔ چونکہ مسیح موعود
کی رہائش کے قریب تر پنجاب ہے اور مسیح موعود کی نظر کا پہلا محل
پنجابی ہے اس لئے اول یہ کارروائی پنجاب میں شروع ہوئی ۔
لیکن امروہہ بھی مسیح موعود کی محیط ہمت سے دور نہیں ہے اس لئے
اس مسیح کا کافر کش دم ضرور امروہہ تک بھی پہنچے گا ۔ یہی ہماری
طرف سے دعویٰ ہے ۔ اگر مولوی احمد حسن صاحب اس اشتہار
کے شائع ہونے کے بعد جس کو وہ قسم کے ساتھ شائع کرے گا امروہہ
کو طاعون سے بچا سکا اور کم از کم تین جاڑے امن سے گزر گئے تو میں

میں سے حصہ لیں گے تا شریروں کی آنکھیں کھلیں۔''

(نزول المسیح روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 394)

مندرجہ بالا تحریر کے آخری الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں اور زیر نظر مضمون پر بہت عمدہ روشنی ڈالتے ہیں ان کے ساتھ جب ہم ایک گزشتہ چیلنج کے حسب ذیل الفاظ کو ملا کر پڑھیں تو بات اور بھی واضح ہو جاتی ہے۔

''ہر ایک مخالف خواہ وہ امروہہ میں رہتا ہے اور خواہ امرتسر میں اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں اور خواہ گولڑہ میں خواہ بٹالہ میں اگر وہ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہے گا تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار ہو جائے گا کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقابل پر گستاخی کی۔''

(دافع البلاء روحانی خزائن جلد 18 ص 238)

مندرجہ بالا دونوں عبارتوں کے مضمون کو ذہن میں رکھ کر جب ہم حسب ذیل واقع پر نظر ڈالتے ہیں تو دل خشیت الٰہی سے بھر جاتا ہے اور حوادث طبعی اور عذاب الٰہی میں تمیز کا مسئلہ علمی حیثیت سے آگے گزر کر ایک قلبی واردات کی شکل میں ڈھل جاتا ہے:۔

اسی ماہ یعنی فروری ۱۹۰۷ء میں جب کہ یہ کتاب شائع ہوئی اچھر چند مینیجر اخبار اور سیکرٹری آریہ سماج قادیان نے ایڈیٹر ''الحکم'' شیخ یعقوب علی صاحب تراب سے ایک گفتگو کے دوران کہا کہ میں مرزا صاحب کی طرح دعویٰ کرتا ہوں کہ طاعون سے کبھی نہیں مروں گا، خدا کی قدرت چند روز کے اندر اندر ''شبھ چنتک'' کا پورا عملہ طاعون کا شکار ہو گیا اور خدا کے اس قہر نے ان کی اولاد اور اہل وعیال کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ چنانچہ سب سے پہلے سومراج

اور بھگت رام کی نرینہ اولا د لقمہ طاعون ہوئی پھر بھگت رام اور اچھر چند
چل بسے۔ باقی رہا سومراج سو وہ بھی اپنے گھر ،اپنے جگری دوستوں
کی تباہی و بربادی کا نظارہ دیکھنے کے بعد سخت بیمار ہو گیا اس نے گھبرا
کر حکیم مولوی عبید اللہ صاحب بسمل کو کہلا بھیجا کہ میں بیمار ہوں آپ
مہربانی فرما کر علاج کریں۔ مولوی صاحب نے حضرت مسیح موعود
علیہ السلام کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ کر پوچھا کہ سومراج نے
مجھ سے علاج کرنے کے لئے درخواست کی ہے۔ حضور کا اس بارہ
میں کیا ارشاد ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جواب میں
فرمایا'' آپ علاج ضرور کریں کیونکہ انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے مگر
میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ یہ شخص بچے گا نہیں'' چنانچہ حکیم بسمل
صاحب کے ہمدردانہ رویہ کے باوجود سومراج کی حالت بدتر ہوتی گئی
اور وہ آخر دوسرے روز چار بجے کے قریب اپنے ساتھیوں سے جاملا''
(تاریخ احمدیت صفحہ ۴۹۳۔۴۹۲)

بلا شبہ یہ واقعہ بہت ہی عبرتناک اور سبق آموز ہے مگر عبرت اور حسرت اور سخت نامرادی کی یہ داستان نامکمل رہے گی اگر ہم پنڈت سومراج کے اس آخری خط کا ذکر نہ کریں جو اس نے اخبار پرکاش کے نام لکھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ شائع ہوتا عذاب الٰہی نے خود اسے بھی لقمہ اجل بنا دیا۔

(یہ چٹھی) ٹھیک اسی دن شائع ہوئی جس روز پنڈت سومراج اس دنیا سے رخصت ہوا لکھتا ہے کہ:۔

''یکا یک مہاشہ اچھر چند کی استری اور عزیز بھگت رام برادر لالہ
اچھر چند کا لڑکا بیمار ہو گئے۔ خیر ان کی استری کو تو آرام آ گیا لیکن لڑکا

اس نے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں میں ایسا صاف اور بین فرق کر کے دکھایا کہ ایک زمانہ گواہ ٹھہرا اور وہ گواہیاں صفحہ ہستی پر ایک ایسا پائیدار نقش بن گئیں جو اس دعویدار کی صداقت پر گویا بولتی ہوئی تصویریں تھیں۔ اگر یہ بیماری طبعی حوادث کا نتیجہ ہوتی تو بلا شبہ اسے حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے متبعین سے بھی ویسا ہی سلوک کرنا چاہئے تھا جیسا اس نے دوسرے معالجین روحانی سے کیا۔ احمدی بستیاں بھی ویسے ہی اجڑ جاتیں جیسے دوسری بستیاں اجڑ رہی تھیں۔ بلکہ ان سے بڑھ کر گلشن احمدیت پر تباہی آنی چاہئے تھی۔ حضرت اقدس علیہ السلام اور دوسرے مذہبی رہنماؤں کے دعاوی میں ایک بہت بڑا اور بنیادی فرق تھا۔ ان میں سے کسی کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے خاص خبر پا کر یہ علاج تجویز کر رہا ہے۔ پس کوئی وجہ نہ تھی کہ مجوزہ روحانی علاج کی ناکامی کی صورت میں ان کے مرید اور حلقہ بگوش اپنے مذہب ہی سے ارتداد اختیار کر جاتے لیکن حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کا معاملہ کچھ اور تھا۔ آپ اگر اپنے دعویٰ میں جھوٹے نکلتے تو بلا شبہ آپ کی ساری جماعت بدظن اور مرتد ہو کر اپنے آبائی فرقوں کی طرف لوٹ جاتی۔ وہ آپ کے گرد جمع ہی اس بناء پر ہوئے تھے کہ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے ہمکلام ہوتا ہے اور اس نے آپ کو زمانے کا امام بنا کر بھیجا ہے۔ محض اس یقین کی بناء پر تو انہوں نے ایک ایسا مسلک اختیار کیا تھا جس کا اختیار کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ احمدی ہوتے ہی اپنے پرائے ہو جاتے تھے۔ آشنا بیگانے بن جاتے تھے۔ بسا اوقات اپنے گھروں سے نکالے جاتے اور وطنوں سے بے وطن کئے جاتے۔ جاں نثار دوست خون آشام دشمن بن جاتا۔ باصفا مرید خشمناک معاند میں تبدیل ہو جاتا۔ اموال لوٹ لئے جاتے۔ جائیدادیں چھینی جاتیں۔ یہاں تک کہ بیوی بچے بھی الگ کر دیئے جاتے جو چیزیں خدا تعالیٰ نے ان پر حلال

بسم اللہ الرحمان الرحیم

تعارف

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے منصب خلافت پر متمکن ہونے سے قریباً ۶ سال قبل ایک مضمون سپردقلم فرمایا جس کا عنوان تھا ''حوادث طبعی یا عذاب الٰہی''۔

یہ مضمون رسالہ الفرقان اکتوبر ۱۹۷۶ء نومبر، دسمبر ۱۹۷۶ء اپریل ۱۹۷۷ء اور مئی ۱۹۷۷ء میں بالترتیب چار اقساط میں شائع ہوا۔اس مضمون میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ دنیا میں جو حوادث اور عذاب ظاہر ہوتے ہیں ان کا تعلق خدا تعالیٰ کے فرستادوں کے انکار اور خدا تعالیٰ کی ناراضگی سے ہے یا نہیں۔

علاوہ ازیں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون میں حضرت مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ظاہر ہونے والے ایک مرض طاعون کا تفصیلاً ذکر فرمایا جس کے ظاہر ہونے کے بارہ میں حضرت مسیح موعودؑ کو قبل از وقت خدا تعالیٰ کیطرف سے خبر دی گئی تھی۔اور جسے حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی سچائی کے لئے بطور نشان پیش فرمایا۔یہ مضمون کتابی شکل میں بھی اس سے قبل شائع ہو چکا ہے۔

اس دور میں بھی دنیا میں مختلف قسم کے حوادث زلزلوں،سیلابوں اور غیر معمولی آفات کی شکل میں ظاہر ہو رہے ہیں۔اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ احباب جماعت کے علم میں اضافہ کے لئے اس مضمون کو دوبارہ شائع کیا جائے۔

خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس مضمون کو پڑھنے اور سمجھنے کی توفیق بخشے اور اس کے نتیجہ میں ہم اپنی زندگیوں میں پاک تبدیلی پیدا کرنے والے ہوں۔ آمین

HAWĀDITHE-TAB'Ī YĀ ADHĀBE-ILĀHĪ

(Natural Disasters or Divine Torment)

Language:- Urdū

Prior to his elevation to the high station of Khalīfatul-Masīh-iv Hadrat Mirza Tāhir Ahmad[RA] wrote a treatise entitled Hawādithe-Tab'ī Yā Adhābe-Ilāhī (Natural disasters or divine torment) This essay was serialized in the monthly Alfurqān (October 1976 to May 1977)

Hadūr explains in detail whether the disasters and torments that afflict the world are a consequence of the rejection of divine messangers and the wrath of Allah the Almighty .

Further more he discusses the bubonic Plague that spread throughout India and Punjāb in the time of the Promised Messiah[AS].